خاکہ نگاری کا تحقیقی جائزہ

جاں نثار معین

شعبۂ تعلیم نسواں، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، موبائل: 8328584311

فارسی لفظ 'خاکہ' کے معنی ڈھانچہ، چربہ، خاکہ تصویر کا مسودہ، خاکہ کا خاک کے ذریعہ نقشہ یا شبیہ اتارنا کے ہیں۔[۳،۲،۱] انگریزی میں اسکیچ اور پن پورٹریٹ ماخذ ہے۔ دونوں معانی میں کافی تفاوت ہے۔[۴] Sketch کے اصطلاحی معنی قاموس الاصطلاحات میں خاکہ 'طَرَح' اور Map Sketch کے لیے خاکہ درج ہے۔[۵] لفظی معنوں میں پلان، ڈرافٹ، آؤٹ لائن، ٹریسنگ،[۶] میاپ اور ڈیلنیشن بھی استعمال میں ہے۔ اسکیچ یعنی مختلف خطوط کی مدد سے کسی شخصیت کے خط وخال اُبھارنے کا عمل ہے۔[۷] پورٹریٹ سے مراد کسی واضح شبیہ کی عکاسی ہوتی ہے۔ خاکہ (تصویر کا)، ڈھانچہ، خلاصہ، مسودہ جس میں مضمون واقعات کا مختصر بیان ہو۔[۸]

پورٹریٹ کے معانی 'تصویر، شبیہ، (مجازاً) ہو بہو تصویر، کامل نمونہ لفظی تحریر وغیرہ تمام لغات میں درج ہیں۔[۹] فرہنگ عامرہ میں ''تصویر کا ڈھانچہ''، ''بیرونی ہیئت بذریعہ خطوط کشی کے ہیں۔[۱۰] فرہنگ آصفیہ میں ''خاکا'' معانی ''گروہ نقاشاں، خاک کے ذریعہ سے نقشہ وغیرہ کا نشان ڈالنا۔ ڈھانچہ، نقشہ اور چربہ اڑانا درج ہے۔[۱۱] خاکہ یعنی ابتدائی نقشہ یا ڈھانچہ اور چربہ اڑانا یا کسی کی تصویر لفظوں میں اتارنا۔[۱۲] چند معارف ادبا کی نظر میں خاکہ نگاری۔

☆ نثار احمد فاروقی ''خاکہ کسی شخصیت کا معروضی مطالعہ ہوتا ہے۔''

☆ آمنہ صدیقی ''سوانح نگاری کی بہت سی صورتیں ہیں انھیں میں سے ایک شخصی خاکہ ہے۔''

☆ محمد حسن ''نوک قلم کی تصویر کشی خاکہ ہے۔''

☆ شمیم احمد کرہانی ''خاکہ نگاری ادب کی ایک صنف ہے جس میں شخصیتوں کی تصویریں اس طرح براہ راست کھینچی جاتی ہیں۔ انھیں ذہن نشین ہوجاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پڑھنے والے نے نہ صرف قلمی بلکہ دیکھا اور سمجھا ہو۔''

مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاکہ صفحۂ قرطاس پر بنائی ہوئی ایک شبیہ ہوتی ہے۔ یہ بے جان نہیں ہوتی نہ ہی ساکت اور گم صم ہوتی ہے۔ وہ بولتی ہوئی ایک متحرک پُر کیف تصویر کی طرح ہوتی ہے۔ جس طرح مصور کی تصویر بولتی نظر آتی ہو یا بت تراش کی مورتی باتیں کرتی نظر آتی ہو۔ خاکے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک شخصی، دوسرا خیالی۔ ان دونوں کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے۔ قاری کو بالکل نہیں لگتا کہ وہ جس شخص سے متعلق پڑھ رہا ہے وہ اس کو نہیں جانتا۔

خاکہ ایک سوانحی مضمون ہوتا ہے۔ جس میں کسی شخصیت کے اہم پہلوؤں کو بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی ایک جیتی جاگتی تصویر قاری کے ذہن میں پیدا ہو۔ خاکہ سوانح عمری سے مختلف ہے۔ سوانح عمری میں خاکے کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن خاکے میں سوانح عمری نہیں سماتی۔[۱۳] خاکہ نگاری خدائی حدود میں قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ یعنی جو کچھ خدا نے بنایا اسی کے عین میں اظہار کا نام خاکہ ہے۔[۱۴] بقول رشید احمد صدیقی کہ ''خاکہ نگاری کی بڑی اور اولین شرط میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ معمولی کو غیر معمولی بنادے بڑے کو کتنا بھی بڑا دکھانا آسان ہوگا بہ نسبت اس کے کہ چھوٹے کو بڑا دکھایا جائے فن اور فن کار کی یہ معراج ہوگی۔''[۱۵]

خاکہ ایک ایسا آرٹ ہوتا ہے جس میں فن کار کے تجربات، تاثرات، جذبات اور خیالات الفاظ کی مدد سے انسان کی نشاندہی کرتے ہیں۔ خاکہ نگار کا مقصد منتخبہ فرد کی زندگی کی خاص اداؤں کی تصویر کشی کرنا ہے۔ اگر اس فن کو اشاروں کا آرٹ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ کسی بھی شخص کی مکمل زندگی کو چند سطور میں بیان کرنے کا فن ہے۔ بقول ڈاکٹر خلیق انجم 'خاکہ کا فن بہت مشکل اور کٹھن فن ہے۔ اسے اگر نثر میں غزل کا فن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ جس طرح غزل میں طویل مطالب بیان کرنے پڑتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح خاکے میں مختصر الفاظ میں پوری شخصیت پر روشنی ڈالنی پڑتی ہے۔'[۱۶] کیوں کہ شخصیت کو الفاظ کے ذریعے زندۂ جاوید کیا جاتا ہے، اصلی رنگ و روپ اور اس کے اردگرد کے ماحول کا احاطہ بھی کیا جاتا ہے۔ بقول محمد حسین آزاد کہ 'خاکہ ایک ایسی تصویر ہے

جو کسی بت تراش یا مصور یا فوٹو گرافر کا عمل نہیں اس تصویر کا خالق قلم کار ہوتا ہے۔ خاکہ کسی فرد واحد کی گم صم تصویر نہیں۔ یہ ہنستی بولتی تصویر ہے جو ہمارے احساسات کو برانگیختہ کرنے کی قوت رکھتی ہے۔''[17]

مصوری اصطلاح میں سوانحی مضمون رنگین پورٹریٹ کو کہا جاتا ہے۔ مصور پس منظر اور پیش منظر کو اجاگر کرتے ہوئے شبیہ سے وابستہ تمام جزئیات نمایاں کرتا ہے۔ جب کہ خاکہ پنسل سے اتارا گیا اسکیچ ہے۔ جس میں کم سے کم لائنوں سے چہرہ کا تاثر واضح کیا جاتا ہے۔ جس میں خاکہ نویس کا اپنا وجدان اور فنی شعور ہوتا ہے۔ وہ چہرہ کے تاثر کو ابھارتا ہے۔[18] ادبی اصطلاح میں خاکہ وہ تحریر یا مضمون ہے جو کسی شخصیت کا بھرپور تاثر پیش کرے۔ یعنی کسی شخص کی قلمی تصویر کھینچے۔ خاکہ کو شخصی مرقع یا شخصیہ بھی کہتے ہیں۔ خاکہ نویسی کو شخصیت نگاری کہا جاتا ہے۔ اچھے خاکے میں شخصیت کے بنیادی عنصر ہوتے ہیں اور اُس کی افتادِ طبع، اندازِ فکر و عمل شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے شناسائی ہوتی ہے۔[19] جس میں خصوصی پہلوؤں کو ایسی ماہرانہ نفاست سے بیان کیا جاتا ہے کہ قاری پر اس شخصیت کا تاثر پیدا ہو جائے۔ اس کے افکار و کردار کی جھلکیاں بھی دیکھیں۔ نیز خاکہ پڑھنے کے بعد متعلقہ شخصیت کی صورت، سیرت، مزاج، ذہن، خوبیاں و خامیاں نظروں کے سامنے ہوں۔[20]

خاکہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس کا خام مواد کسی دوسری شخصیت کے اخذ و مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن عمدہ خاکہ اس خام مواد کو من و عن پیش نہیں کرتا۔ بلکہ مختلف واقعات کو مشاہدہ بین کے تاثر اور تجزیے کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہی وہ مشکل مرحلہ ہے جہاں مصنف کے تخلیقی جوہر سے مِس خام یا تو کندن بن جاتا ہے یا راکھ۔[21] اس ضمن میں خاکہ نویس کی منتخب کردہ شخصیت کو روشنی میں لانے سے قبل اس کی اخلاقی محاسن، اخلاقی معائب اور اخلاقی خوبیوں کا مشاہدہ کر کے خاکہ اتارا جاتا ہے:

> اخلاقی محاسن کے لیے حیا، خلوص، معصومیت، رواداری، ایثار، تحمل، خوش معاملگی اور بہتر علم وغیرہ۔ اخلاقی معائب کے لیے مغلوب الغضبی، خود غرضی، الحاد، بدزبانی اور بے راہروی وغیرہ۔ اخلاقی خوبیوں کے لیے ایک خاص قسم کا لباس پہننا، کرسی پر اکڑوں بیٹھنا، ایک خاص انداز سے چلنا، بلند آہنگ قہقہے لگانا، بلیاں یا کبوتر پالنا، پتنگ اڑانا، ہجوم میں بدحواس ہو جانا، چٹپٹی چیزیں کھانا، حقے یا پان سے رغبت، گرمیوں میں گرم پانی سے غسل کرنا، خوشی کے موقع پر غمگین ہو جانا، یادوں سے جی بہلانا، خیالی پلاؤ پکانا وغیرہ سمجھا جاتا ہے۔[22]

خاکہ سوانح عمری نہیں ہوتا بلکہ سوانح میں سے شخصیت کی تلاش ہے۔ ''خاکہ نویس کے پاس افسانہ نگار کا کینوس ہوتا ہے۔ ناول نگار کا نہیں۔ خاکہ نویس صرف شخصیت کو روشنی میں لاتا ہے۔[23] خاکہ دراصل ایک 'قلمی تصویر' ہوتی ہے۔ ایک مکمل، زندہ اور زیادہ جان دار ہو۔ جس میں صاحبِ تصویر چلتا پھرتا، ہنستا بولتا، روتا گاتا نظر آتا ہو۔ جو سوچتا بھی ہو، محبت اور منافقت سے کام بھی لیتا ہو۔ جو دانائی اور سادگی سے معاملہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ قلمی تصویر کا تحرّک ہوتا ہے۔ اچھے خاکہ میں شائستگی کے منافی باتوں کو چھوڑنا ضروری ہے۔ کچھ کے ان تذکروں سے شخصیت اور اس کے احباب واعزہ کی شدید خفگی یا آزردگی کا موجب ہوتی ہے۔[24] اسی لیے مناسب ہے روشن و تاریک دونوں پہلوؤں کی جھلک دکھائی جائے۔ ورنہ پیش کردہ قلمی تصویر یک رخی قرار پائے گی۔ کیوں کہ انسان نہ اچھائیوں کا مرقع ہے نہ برائیوں کا۔

خاکہ نویس شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ پیش کریں۔ محض خوبیوں کے بیان سے خاکہ مدحیہ مضمون بن جائے گا۔ صرف خامیوں کے اظہار سے دشنام طرازی کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔[25] خاکہ ہمیشہ ذاتی واقفیت کے سہارے لکھنا چاہیے۔ اس لیے ضمیر واحد متکلم کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ پھر بھی ضمیر واحد متکلم کا استعمال کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں موضوعِ خاکہ سے مصنف کا تعلق اشتہار اور خود اپنی شخصیت کے اظہار کا وسیلہ بن جاتا ہے۔[26]

خاکہ ایک تخلیقی صنف ادب ہے، جس میں زندہ شخصیت علمیت کی بھاری بھرکم عباؤں کو دم بھر کے لیے اتار کر، روزمرہ کے لباس میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچ مچ تھے۔[27] بعض اوقات خاکہ نویس کو خامہ خونچکاں اور انگلیاں فگار ہو جانے کے باوجود شخصیت کی ڈوری ہاتھ نہیں لگتی۔ کہیں عقیدت مدح کا روپ دھار لیتی ہے۔ کہیں نفرت کا قدح۔ کچھ خاکہ نویس خاکہ نگاری کرتے کرتے سیرت نگاری کا فریضہ سرانجام دے ڈالتے ہیں۔ جب کہ دوسرے شخصیت کی تلاش میں تاریخی گوشوں کے جنگل میں کھو جاتے ہیں۔[28] کردار نگاری مذکورہ شخصیت کے خدوخال، حرکات وسکنات، لباس، نفسیاتی اور ذہنی کیفیات وتغیرات پر مشتمل ہوتی ہے۔ خاکہ نویس کو شخصیت کے رنگ و روپ، وضع قطع اور عادات واطوار کی جھلک دکھانا ضروری ہے۔ اس کے لیے سب سے اہم ان کی تحریروں کا جائزہ لینا پڑا۔ کیوں کہ ان ادیبات کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں مولانا شبلی نعمانی نے کہا:

> انسان کے اخلاق اور جذبات کا انکشاف جیسا اس کی بے

تکلفانہ خط و کتابت سے ہوسکتا ہے ایسا کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے مکتوب کو نصف ملاقات قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جب اس کا وجودِ عنصری خاک میں پنہاں ہوجائے اور اس سے ملنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے تب اس کی ملاقات محض اس کی خط و کتابت پر منحصر ہے اور بس۔ پس کسی مصنف کی وفات کے بعد اس کے مکتوبات کا فراہم کرنا درحقیقت اس کی سوانح عمری کا ایک مہتم بالشان حصہ قلم بند کردیتا ہے۔[۲۹]

اچھے خاکے میں لطیف مزاح اور نکتہ آفرینی ضروری ہے۔[۳۰] اگر طنز و تمسخر بھی شامل ہوجائے تو برا نہیں۔ ایک حس مزاح وسیع ترین معنوں میں تحریر کے اندر خوشبو کی طرح بسی ہو۔ کچھ ظرافت کے انداز بھی ہوں تو مضائقہ نہیں۔[۳۱] ایک عرصے تک مزاح کو خاکہ نگاری کے لیے ضروری عنصر سمجھا جاتا تھا۔ جب کہ مزاح اس فن کے لیے مقصود بالذات نہیں ہے۔[۳۲] کبھی کبھی مزاح کی موجودگی خاکہ نگار پر بوجھ بن جاتی ہے۔ مزاح کو لازمی سمجھنا فنِ خاکہ نگاری کی مبادیات سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ بلکہ غیر ضروری قدغن لگانے کے مترادف ہے۔ کیوں کہ خاکہ کوئی مزاحیہ مضمون نہیں۔[۳۳]

۲۔ متعلقہ مواد کا جائزہ

خاکہ نگاری کا آغاز ۱۹۲۷ء میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے استاد مولوی نذیر احمد کا خاکہ 'نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی' سے کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے ۱۹۳۷ء میں 'گنج ہائے گرانمایہ' لکھا۔ سعادت حسن منٹو کا مشہور خاکہ 'گنجے فرشتے' لکھ کر ادب میں ایک نئی روایت کا آغاز کیا۔ محمد طفیل نے اپنی تصنیف 'نو مجوعے' لکھا۔ یہی معلومات زرینہ بیگم چودھری کا مضمون' اردو ادب میں خاکہ نگاری۔ آغاز و ارتقا' میں بھی ہے۔[۳۴] جس میں جگر مراد آبادی، سعادت حسن منٹو، شوکت تھانوی، احسان دانش، فراق گورکھپوری، احمد ندیم قاسمی اور عابد علی عابد کے خاکے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے ۱۹۵۹ء میں اپنی تصنیف 'چند ہم عصر' میں محسن الملک حالی، راس مسعود سر سید احمد خان اور ایک مالی کے خاکے قلم بند کیے۔ مجتبیٰ حسین نے 'آدمی نامہ (خاکوں کا مجموعہ) لکھا۔ جس میں کنہیا لال کپور، راجندر سنگھ بیدی، اعجاز صدیقی، مخدوم محی الدین، کرشن چندر، سجاد ظہیر، ابراہیم جلیس، فکر تونسوی، عمیق حنفی، رضا نقوی واہی، خواجہ عبدالغفور، حسن الدین احمد نریندر لوتھر، باقی اور مخمور سعیدی کے خاکے لکھے ہیں۔[۳۵] اس کے علاوہ بھی چند اردو میں خاکے ہیں۔ جیسے خواجہ حسن نظامی نے قلمی چہرے لکھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے ''حکیم اجمل خاں، آج رخصت جہاں سے داس ہوا' اور بی اماں'' لکھا، برج نرائن چکبست نے ''پنڈت بشن نرائن در''، عبدالرزاق کانپوری نے ''یادایام''، آغا حیدر حسن دہلوی نے ''پس پردہ''، عبدالماجد دریابادی نے ''مہدی افادی، اکبرالہٰ آبادی اور شبلی''، رئیس احمد جعفری نے ''دید و شنید''، عبدالمجید سالک نے ''یاران کہن''، دیوان سنگھ مفتون نے ''ناقابل فراموش''، ڈاکٹر اعجاز حسین نے ''ملک ادب کے شہزادے''، ضیاء الدین احمد نے ''عظمت رفتہ''، شورش کاشمیری نے ''چہرے''، چراغ حسن حسرت نے ''مردم دیدہ''، برج موہن دتاتریہ کیفی نے ''منشورات''، آغاز محمد باقر نے ''نقوش شخصیات نمبر حصہ اول''، تمکین کاظمی نے ''نقوش شخصیات نمبر حصہ دوم''، اخلاق احمد دہلوی نے ''اور پھر بیاں اپنا''، اور یوسف ناظم نے ''ذکر خیر'' خاکے لکھے ہیں۔ حالاں کہ ان ادبا کا ارادہ خاکہ نگاری کو فروغ دینا نہیں تھا۔ پھر بھی ان کی یہ یادداشتیں خاکہ نگاری کا حصہ بن گئیں، لیکن خواجہ حسن نظامی، مولانا محمد علی، عبدالرزاق کانپوری، برج نرائن چکبست، آغا حیدر حسن دہلوی، عبدالماجد دریا آبادی، دتاتریہ کیفی، آغا محمد باقر، عبدالمجید سالک، دیوان سنگھ مفتون، چراغ حسن حسرت، ڈاکٹر اعجاز حسین اور تمکین کاظمی کا نام خاکہ نگاری میں ضرور لیا جاسکتا ہے۔

پاکستان میں عطاء الحق قاسمی نے اپنی تصنیف 'عطایئے' حفیظ جالندھری، احمد ندیم قاسمی، شبنم رومانی، عارف عبدالمتین، احسان دانش، محمد طفیل اور نقوش کے خاکے لکھے ہیں۔ اعجاز رضوی نے اپنی کتاب 'کلوزاپ' میں احمد ندیم قاسمی، عارف عبدالمتین، تحسین فراقی، عباس تابش، اجمل نیازی اور خالد احمد کے خاکے کھینچے ہیں۔ چراغ حسن حسرت کی اپنی تصنیف 'مردم دیدہ' خاکوں کا مجموعہ ہے۔ ضمیر جعفری نے 'اڑتے خاکے' تحریر کیا ہے۔ محمد یونس بٹ نے اپنی کتاب 'شناخت پریڈ' میں مزاحیہ خاکے رقم کیے ہیں۔

اسلم فرخی نے ۲۰۱۱ء میں اپنی تصنیف 'گل دستہ احباب، رونق بزمِ جہاں، سات آسمان' میں اردو ادب کے اہم شعرا میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد، غلام مصطفیٰ ہمدانی، خواجہ حیدر علی آتش، امام بخش ناسخ اور محمد ابراہیم ذوق کے خاکے اتارے ہیں۔[۳۶] ۱۹۵۹ء میں عصمت چغتائی نے اپنی تصنیف 'دوزخی' میں اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ اتارا۔ قرۃ العین حیدر نے اپنی کتاب 'پکچر گیلری' میں چھ خاکے کھینچے ہیں۔ تحقیقی مقالات میں جامعہ عثمانیہ سے گل رعنا ۱۹۹۷ء میں بعنوان 'حیدر آباد میں اردو خاکہ نگاری ۱۹۴۷ء کے بعد' پر سند حاصل کی۔ حیدر آباد

سینٹرل یونیورسٹی سے عالیہ مقصود بعنوان 'عوض سعید۔ بحیثیت خاکہ نگار' پر ۲۰۰۵ء میں مقالہ مکمل کیا۔ عثمانیہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر صابرہ سعید نے ۱۹۷۵ء میں بعنوان 'اردو ادب میں خاکہ نگاری' لکھا ہے اور اسی جامعہ سے ڈاکٹر امۃ الکریم طلعت صدیقہ نے ۲۰۰۳ء بعنوان 'اردو خاکہ نگاری' پر تحقیق مکمل کی ہے۔ محقق اپنا زمانہ بدل کر جس شخصیت کا خاکہ اتار رہا ہے اس کے عہد میں داخل ہو کر محسوس کرتا ہے۔ جیسے خواجہ حسن نظامی نے بیگم آصف علی کا خاکہ اتارا تھا:

> میانہ قد۔ گل اندام، رخ زیبا، گورا رنگ، قوم ہندو، مذہب اطاعت شوہر۔ اور خدمت ملک، اور ہمدرد نسواں، دیکھنے میں اٹلی کے کسی ماہر بُت بنانے والے کی صنّاعی کی ساختہ معلوم ہوتی ہیں، مگر جب بولتی ہیں تو سیتا دیوی کی بولتی ہوئی مورت سامنے آجاتی ہے اور کسی بڑے ہندوستانی بت خانے کی ہندوستانی بت سازوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ عورت کا غرور۔ عورت کی ضد، عورت کی خود پسندی، عورت کی نازک مزاجی سے کوسوں دور تھی۔ ۳۷

اس مختصر خاکہ سے بیگم آصف علی سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہ کس طرح سوچتی تھی؟ اس کے اندازِ بیان کیا تھے؟ اس کا رنگ روپ کیا تھا؟ اور دیگر پہلوؤں سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح 'بی مُردان' کا ایک بہترین خاکہ مرزا محمد بیگ نے کھینچا ہے۔ جس میں تفریح، کھانا پینا، ملبوسات کے رنگ روپ، چال ڈھال، رشتہ داروں سے میل ملاپ وغیرہ۔ اس خاکہ میں مردان بیگم کی دلچسپی کو اس طرح پیش کیا ہے۔ جیسے وہ آج ہمارے سامنے یہ تمام حرکات کر رہی ہوں۔ اب وہ ہمارے سامنے کھڑی ہیں۔ ہم سے باتیں کر رہی ہیں۔ ثبوت میں یہ تحریر ملاحظہ ہو:

بی مردان صرف تقریبوں کے موقع پر تو خیر اپنے طائفہ سمیت یوں ہی اپنے ٹھکانوں پر آتی جاتی رہتی تھیں۔ اس وقت صرف ایک آدھ ہی شاگرد ساتھ ہوتی تھی۔ پان کھانے میں ان کے مقابلے کا دوسرا نہ تھا۔ اگر بیگم کے ہاتھ پان کھاتیں تو بیگم کے ہاتھ تھک جاتے اس لیے یہ پٹاری اپنی طرف نکلتی تھی ان کو ہر لڑکی چاند کا ٹکڑا دکھائی دیتی تھی۔ چاند کے منہ پر داغ ہے پر جن لڑکیوں کی یہ تعریف کرتیں ان کی صورت شکل نقشے میں کوئی فی نہ ہوتی۔ اگر ان کے شروع کرنے پر رشتہ پکّا ہو گیا تو ان کے طائفے کو جوڑے ملتے تھے۔ کان کی بالیاں ہاتھ کی چوڑیاں، کپڑے، پہونچیاں، جوتیاں، ایسی کوئی چیز بھی مل جاتی تھی اور ان کا یہ حق ہوتا تھا۔ گھر کی خوشی میں یہ بھی شریک تھیں۔

بی مردان کی عمر جتنی زیادہ تھی ان کے چہرے کا نور زیادہ ہوتا گیا۔ عام طور پر سفید برّاق کپڑے پہنتی تھیں اور بہت اچھی لگتی تھیں۔ گھر کے بچوں سے بزرگانہ سلوک کرتی تھیں۔ نہ زیادہ ہنسی مذاق کرتیں، نہ زیادہ دکھاپن برتیں۔ میرے دیکھتے دلی بدلی، دلی والوں کے مزاج بدلے، ان کے طور طریقے بدلے ان کی ضرورتیں بدلیں۔ فلم اور اس کی چلتی پھرتی، گاتی ناچتی تصویروں نے مردان اور ان کے فن کی قدر اور ضرورت کم کردی، لڑکیاں اب اتنی پابندی سے گھروں میں بند نہیں رکھی جاسکتی تھیں اور چوں کہ وہ دنیا میں اوروں کو بھی دیکھتی تھیں۔ ۳۸

بیگم انیس قدوائی نے اپنی سہیلی 'مردولا سارا بھائی' ۳۹ کا خاکہ اتارا ہے۔ اس عظیم ہستی کو غدار سمجھا گیا۔ فریڈن فائٹر ہونے کے باوجود ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگا۔ پھر انھوں نے گاندھی جی آئیڈیالوجی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ وہ غدّار تھیں یا دیش بھگت اس کا فیصلہ زمانہ کرے گا۔ وہ دولت کی ریل پیل میں آنکھیں کھولیں۔ سات بھائی بہنوں کی بڑی بہن اور والدین کی چھٹی اولاد ہونے کے ناتے قومی خدمت کے لیے انہیں بھرپور موقع ملا۔ دونوں ہاتھوں سے روپیہ لٹاتی تھیں، مگر اپنی سادہ زندگی میں فرق نہ آنے دیا۔ سیوا گرام کا گہرا اثر رہن سہن پر ہمیشہ قائم رہا۔

کھدر کے دو جیبوں والے کُرتے، کٹے ہوئے بال، پیشاوری چپّل اور شلوار والی مردولا کو بھائی بہن 'باس' کہتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض وقت ان کے والد انبالال سارا بھائی بھی ہنس کر انہیں 'باس' کہہ دیا کرتے تھے۔ ساتھی انہیں پٹھان کہتے اور لوگ طنزاً امر داللہ بھی کہا کرتے تھے اور آخری دور میں تو ایسے ایسے خطابوں سے نوازی گئیں کہ سن کر خون کھول جاتا تھا۔ وہ سُنتیں، پڑھتیں، مگر بالکل بمبئی والوں کے لہجے میں یہ کہہ کر ٹال جاتیں۔'' ایسا ہی چلتا ہے۔ اس دنیا میں یہی ہوتا ہے.... مردولا کا ستر خوان تھا۔ جس پر ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی سب ایک ساتھ کھاتے پیتے نظر آتے تھے۔ ۴۰

مردولا ٹھیٹھ ہندوستانی تھیں، مگر ان کا دماغ جدید سائنٹفک تھا۔ ہر مذہب کی روح ان کے اندر تھی۔ وہ محبِّ وطن تھیں۔ وطن کے لیے جیتی و مرتی تھیں اور ملک و قوم سے ثقافتی طور پر جڑی ہوئی تھیں۔ اسی طرح کا ایک اور بہترین نمونہ مولانا ابوالکلام آزاد کی بیوی زلیخا بیگم کا خاکہ ہے۔ اس عظیم شخصیت کی خوبیاں خود مولانا کی زبان میں ملاحظہ ہوں:

> گزشتہ پچیس برس کے اندر کتنے ہی سفر در پیش ہوئے اور کتنی ہی مرتبہ گرفتاریاں ہوئیں۔ میں نے اس درجہ افسردہ اس کو کبھی نہیں دیکھا کیا یہ جذبات کی وقتی کمزوری تھی جو اس پر غالب آ گئی تھی۔

میں نے اس وقت تو ایسا ہی خیال کیا، لیکن اب سوچتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ شاید اُسے صورتِ حال کا ایک مجہول احساس ہونے لگا تھا۔ شاید وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کی زندگی میں یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ وہ خدا حافظ اس لیے نہیں کہہ رہی تھی کہ میں سفر کر رہا تھا۔ وہ اس لیے کہہ رہی تھی کہ خود سفر کرنے والی تھی۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ کتنی نیک صفت اور صبر کا پہاڑ تھیں۔ وہ مولانا سے کتنی محبت کرتی تھیں اور خود انہیں کتنا دکھ تھا۔ اُن میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو ایک اچھی خاتون میں ہونی چاہیے۔ وہ سلیقہ شعار بھی تھیں اور خانہ داری کے امور سے بھی واقف تھیں۔ وہ بہترین میزبان تھیں۔ ہنس مکھ شیریں زبان کی مالک بھی تھیں۔ سسرال والوں پر جان چھڑکتی تھیں۔ شوہر پر فدا تھیں۔ آپس میں کافی بے تکلفی تھی۔ اس لیے نند بھاوج کے رشتے کو لے کر دونوں میں مذاق بھی ہوتا تھا۔

معاف کیجیے گا بھی! آپ کو اتنی دیر میرا انتظار کرنا پڑا۔ میں مولانا کو کھانا کھلا رہی تھی۔ وہ بہت تھوڑا اور سادہ کھانا کھاتے ہیں۔ دو چمچے اُبلے ہوئے چاول، تھوڑی دال، سبزی یا گوشت اور دہی، چوں کہ صبح بہت سویرے اٹھ جاتے ہیں اس لیے دوپہر کے کھانے کے بعد بارہ بجے سے پہلے لیٹ جاتے ہیں۔ پھر دو بجے غسل کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد کاموں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ملنے والوں کا تانتا رات گئے تک لگا رہتا ہے۔[۴۱]

مولانا جب اپنی زلیخا کی آخری آرام گاہ پر گئے تو باوجود اس بے انتہائی ضبط و تحمل کے جو اُن کی طبیعت کی خاص خصوصیت تھی اپنی چاہنے والی کے قد پر آنسوؤں کے موتی نچھاور کیے بغیر نہ رہ سکے۔ وفورِ رقّت کو تھامنا ان کے بس میں نہ رہا اور بہت دیر تک وہ سر جھکائے روتے رہے۔[۴۲]

۳۔ خاکہ نگاری کی روایت

اُردو ادب میں خاکہ نگاری یا شخصیہ کا آغاز مرزا اسداللہ خان غالب کے ذاتی اور احباب کے تبصروں سے ہوتا ہے۔ بقول نثار احمد فاروقی اسکیچ کے لیے اردو میں 'خاکہ نگاری' مرقع۔ قلمی تصویر وغیرہ اصطلاح میں استعمال کی گئی ہیں ان میں خاکہ سب سے زیادہ موزوں ہے کیوں کہ اسکیچ کا پورا مفہوم اسی لفظ میں بولتے ہیں، اس میں کسی شخصیت کے اہم اور منفرد پہلو اجاگر کیے جاتے ہیں۔ چوں کہ ہر خاکہ نگار نے اپنے طور پر جو تعریف کی وہ مذکورہ بالا سطور کے قریب ترین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاکہ نگاری اور شخصیہ کا کینوس وسیع تر ہو جاتا ہے۔

خاکہ کسی شخصیت کا معروضی مطالعہ ہے"۔ آمنہ صدیقی کہتی ہیں "سوانح نگاری کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک شخصی خاکہ ہے۔ یہ دراصل مضمون نگاری کی ایک قسم ہے۔ جس میں کسی شخصیت کے ان نقوش کو اجاگر کیا جاتا ہے جن کے امتزاج سے کسی کردار کی تشکیل ہوتی ہے"۔[۴۳]

اردو میں خاکہ کی روایت کا حتمی تعین نہیں ہوسکتا کیوں کہ خاکہ کا تعلق تذکرہ سے ماخوذ فارسی سے ہے۔ اس ضمن میں یحییٰ امجد کا خیال ہے:

قدیم اردو تذکروں سے بجا طور سے خاکہ نگاری کی توقع کی جاسکتی تھی، لیکن یہ توقع تذکروں سے پوری نہیں ہوتی کیوں کہ ان میں شخصیت کا حال بیان کرنے سے زیادہ اس کے کلام کا زیادہ انتخاب کرنے پر توجہ دی گئی ہے۔[۴۴]

میر تقی میر کا تذکرہ "نکات الشعرا" (۱۱۸۴ء) میں فارسی میں لکھا گیا ہے، لیکن یہ خاکہ نگاری کے فن پر مکمل اترتا ہے۔ اس طرح خاکہ نگاری کے ہلکے پھلکے نقوش ملتے ہیں۔ ثبوت میں قدرت اللہ قاسم کا مجموعہ جس میں خاکہ نگاری کی جھلکیں نظر آتی ہیں "نگر" ۱۲۱۴ھ اور سعادت یار خاں کا تذکرہ "خوش معرکہ زیبا" ان دونوں تذکروں میں ان کے مصنّفین نے شعرا سے متعلق معلومات یکجا کر دیے ہیں جن کو انہیں معلومات تھی پھر بھی آسودگی نہیں ہوتی۔ ان تحریروں کو ہم کامل خاکہ نہیں کہہ سکتے، لیکن اس کا عکس کہہ سکتے ہیں۔ عصر حاضر کے ناقدین کے مطابق خاکہ نگاری کے ابتدائی نقوش انشاء اللہ خاں انشاء کی "دریائے لطافت" میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے میر "ظفر غینی" اور "بی بی نورن" کے کردار بیان کیے ہیں اور خواتین کی خاص گفتگو کا جائزہ لیا ہے۔[۴۵] پھر بھی مکمل خاکہ کے فن پر نہیں اترتے کیوں کہ یہ کردار جاندار تو نظر آتے ہیں، لیکن مرقع نگاری کی تاریخ میں کوئی خاص مقام نہ بنا سکے۔[۴۶]

محمد حسین آزاد کے علاوہ عبدالحلیم شرر کا عام طرز بیاں شگفتہ ہے۔ ان کے خاکوں میں اسلوب کی بے حد کشش ہے۔ مرزا ہادی رسوا کی تحریروں میں بھی جذبات، خلوص، اعتماد اور قطعیت ملتی ہے۔ انھوں نے شخصیتوں کی سیرت کے صرف ایک ہی پہلو کو اجاگر کیا ہے، لیکن اسے نیم شخصی مرقع کہا جاتا ہے اور خواجہ حسن نظامی کے مضامین میں خاکہ نگاری کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صابرہ سعید کا خیال ہے۔ "رسوا کے بعد خواجہ نظامی نے دلی کی اکثر بڑی شخصیتوں کی تصویر کشی

کی جنھیں وہ قلمی چہرہ کہا کرتے تھے،لیکن ان کی تصاویر میں شخصیت کی مکمل عکاسی نہیں انہیں صرف حلیہ کہہ سکتے ہیں۔اور بہت زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تصویروں میں حرکت نہیں وہ بالکل سپاٹ ہیں۔ [۴۷]

۴۔ خاکہ نگاری کا آغاز وارتقا

اردو میں پہلی بار مرزا فرحت اللہ بیگ نے ''نذیر احمد کی کہانی'' خاکہ لکھ اس صنف کی داغ بیل ڈالی۔اس مضمون میں نذیر احمد کی جیتی جاگتی،ہنستی بولتی، چلتی پھرتی تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔یہاں تک کہ ان کا حلیہ،لباس،گفتگو،عقائد،عادات واطوار،اخلاق،کیفیت، پڑھنے لکھنے کے طورطریقے اور چال چلن وغیرہ تمام کیفیات کو ابھارا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے لالہ سری رام، یادایام،عشرت فانی، العظمۃ للہ، خواجہ بدرالدین، حکیم آغا جان عیش،نواب عبدالرحمن ،احسان وغیرہ سب شخصی خاکے ہیں۔انہی کی طرح آغا حیدر حسین نے بھی اس فن کی روایت کو آگے بڑھایا۔کئی خاکے لکھے،لیکن خصوصی طور پر خواتین کی روز مرہ کی گفتگو پر مہارت رکھتے تھے۔ان میں دلی کی بیگماتی زبان کا دلنشیں لب و لہجہ،محاورے،تشبیہات اور گفتگو کی شوخی وغیرہ پر زبردست پکڑ تھی۔ [۴۸]

عبدالحق نے خاکوں کا مجموعہ ''چند ہم عصر'' (۱۹۳۷ء) لکھا۔اس کتاب سے متعلق یحییٰ امجد نے لکھا ہے۔''چند ہم عصر پہلی بار ان کے شاگرد شیخ چاند نے چھپوائی تھی اور بعد میں بار بار شائع ہوئی۔اس کتاب میں مولوی صاحب نے اپنی جان پہچان کے معروف لوگوں کے حالات اور ان کے کارنامے لکھے ہیں اور زیادہ تر ان کے نظریات سے بحث کی ہے۔ [۴۹] یہ سچ ہے کہ انھوں نے دوسری شخصیتوں کو اپنی خود بینی اور خود نمائی کا ذریعہ بنایا جس سے ان کے خاکوں میں آورد کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔اسی طرح سے محمد شفیع نے ۱۹۳۸ء میں ''دلی سنگھالا'' کتاب شائع کی۔اس میں موصوف نے پرانی دلی کا بہترین نقشہ کھینچا۔جس میں مرد و زن اور عام و خاص عوام کو اپنی تحریر کا حصہ بنایا۔جس میں جاہل، عالم، فاضل،متقی پرہیزگار،شرابی اوباش کردار نظر آتے ہیں۔

۱۹۴۳ء میں بشیر احمد ہاشمی نے اپنی تصنیف ''گفت وشنید'' لکھی جس میں پیشہ وروں کے خاکے ہیں۔جیسے بیرا،منشی جی،شاعر،ہیڈ ماسٹر، پروفیسر ایڈیٹر حضرات میں جو عادتیں ہوتی ہیں ان کو مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا ہے۔اسی طرح خواجہ غلام السیدین نے بھی ایک کتاب ''آندھی کا چراغ'' لکھا جس میں سترہ مضامین ہیں۔جس میں مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر اقبال،سید دانش مسعود، خواجہ غلام المصنفین، محباتی خاتون اور سیدہ خاتون وغیرہ کے شخصی خاکے شامل ہیں۔

عبدالرزاق کانپوری نے ''ابرامکہ'' کتاب میں سترہ شخصیتوں کے خاکے لکھے ہیں جن میں سرسید،شبلی، جسٹس امیر علی،محسن الملک، ذکاءاللہ، محمد حسین لکھنوی، میر ناصر علی اور راس مسعود شامل ہیں۔جس میں منتخبہ شخصیات کی جھلکیاں، لب ولہجہ، انداز بیان، متانت اور سنجیدگی کے ساتھ شگفتگی اور لطافت سے خاکے کھینچے ہیں۔عبدالماجد دریابادی نے شخصی خاکے لکھے ہیں۔جس میں مہدی افادی، اکبرالہ آبادی اور مولانا شبلی نعمانی کے خاکے ناقابل فراموش ہیں۔ان کا سب سے اہم خاکہ ''محمد علی'' ہے۔اس بات کی تصدیق پروفیسر نثار احمد فاروقی کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> مولانا محمد علی کی شخصیت اس دور ابتلا میں عجیب وغریب تھی۔ ایک زمانہ میں ہر گلی کوچے سے بولیں اماں محمد علی کی جان خلافت پہ دیدو کی صدائیں بلند ہوتی تھیں سارے ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں ان کا غلغلہ مچا ہوا تھا،مگر آج کسی کی زبان پر بھولے سے بھی محمد علی کا نام نہیں آتا۔سیاسی اختلافات اپنی جگہ پر،لیکن ایمان کی روشنی، فراست کا نور، اخلاص وایثار کی گرمی اور جذبۂ خدمت کا شعلۂ جوالہ، خطابت کی ساحری، ذہانت کی تابندگی، مزاح اور نکتہ آفرینی کی لطافت اور عمل کی سچی روح مجھے محمد علی کی شخصیت میں نظر آتی ہے ان کی ترجمانی کرنے کا حق بھی مولانا دریابادی نے ادا کیا ہے۔ [۵۰]

رشید احمد صدیقی نے خاکے کی روایت کو مزید استحکام پہنچایا۔انھوں نے ذاکر حسین، اقبال سہیل، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر عبدالحق، نواب محمد اسماعیل، مولانا آزاد، مولانا سلیمان اشرف، اصغر گونڈوی،نصیر الدین کے خاکے لکھے ہیں۔ بیشتر اردو کے ناقدین نے رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری کو تسلیم کیا ہے۔اسی طرح عصمت چغتائی نے اپنے بڑے بھائی کا خاکہ ''دوزخی'' کھینچا ہے۔اس خاکے سے متعلق یحییٰ امجد کا خیال ہے کہ دوزخی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ ہے۔اس خاکہ کو عام طور پر اردو کا بہترین خاکہ تصور کیا جاتا ہے۔تکنیک کردار کے اعتبار سے بھی کافی مضبوط ہوتا ہے۔اس طرح یہ خاکہ ادب عالیہ میں شامل کرنے لائق ہے۔اس ضمن میں پروفیسر نثار احمد فاروقی کا خیال ہے:

> دوزخی پڑھ کر عظیم بیگ کی شخصیت ہی ہمارے سامنے نہیں آتی ان کے فن سے بھی بعض ایسے پردے اٹھ جاتے ہیں جو ان کا رشتہ اپنے فن سے ظاہر کرتے ہیں۔ [۵۱]

سعادت حسن منٹو نے تین شخصی خاکے لکھے ہیں ایک گنجے فرشتے،

دوسرا لاؤڈ اسپیکر اور تیسرا فلمی شخصیتیں۔ان کے خاکوں کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ شخصی خاکوں کو انشا کے خطوط سے نکال کر افسانوی انداز پیدا کر دیا۔ جیسے تجسس، تحیر خیزی اور ڈرامائی ہوتے ہیں۔حالاں کہ ان کے خاکوں میں بھی عناصر نمایاں ہوتے ہیں۔اشرف صبوحی نے اپنی تصنیف ''دلی کی چند عجیب ہستیاں'' لکھی۔جس میں ۱۸۵۷ء کے بعد جو افراد باقی تھے ان کے حالات بیان کیے ہیں۔یہ پہلی کتاب ہے جس میں غیر معروف ہستیوں کے خاکے اتارے گئے ہیں۔منجملہ پندرہ افراد کی مرقع نگاری کی گئی ہے اور اس عہد کے مکمل کلچر کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔جس میں تہذیب، اخلاق، رواداری، بھائی چارگی اور اتحاد و اتفاق کو بھی خاکوں کا حصہ بنایا گیا۔اس ضمن میں پروفیسر نثار احمد فاروقی کا خیال ہے۔''اشرف صبوحی دلی کے روڑے ہیں انھوں نے دلی کی ٹھیٹھ زبان کے ٹھاٹھ دکھائے ہیں اور اس تاریخی شہر کی ''تمدنی علامتوں'' کے خاکے لکھے ہیں جن میں مٹھو بھٹیارا، گھّمی کبابی، ملّن نائی، میر ٹوٹرو، پیر جی کوّے اور میر باقر علی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ان لوگوں کی شخصیت میں دلی کی روح اور دلی کا آب و رنگ نظر آتا ہے۔''[۵۲] اس طرح انھوں نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے سب کے سب عام انسان ہیں، لیکن وضعداری، شائستگی اور ہنر مندی روایت سے ہٹ کر پیش کی ہے۔اسی طرح سے شوکت تھانوی نے بھی خاکے لکھے ہیں۔ان کے خاکوں کا مجموعہ ''شیش محل'' ہے۔اس مجموعہ سے متعلق پروفیسر نثار احمد فاروقی نے لکھا ہے۔'بہ حیثیت مجموعی انھیں کھینچ تان کر ہی ''خاکے'' کہا جا سکتا ہے اور بعض بیحد مختصر ہیں اور چند سطحوں میں ختم ہو گئے ہیں۔طویل ترین خاکہ بھی تین صفحوں سے آگے نہیں بڑھا۔ بعض صرف ایک جھلک ایک رائے یا دل لگی کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا مقصد ہنسنے ہنسانے کے سوا کچھ نہیں اس مجموعہ میں ایک سو بارہ شخصیات کے نام آگئے ہیں۔''[۵۳]

۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر اعجاز حسین نے خاکوں کا مجموعہ ''ملک ادب کے شہزادے'' لکھ کر ۴۴ شعرا کے خاکے قلم بند کیے ہیں۔منتخبہ شعرا کے چہرے خدوخال، حرکات وسکنات اور صورت و سیرت کے علاوہ ان کی نفسیات کو پیش کیا ہے۔ان کی خاکہ نگاری پر پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اظہار خیال کیا ہے۔" بہر حال ڈاکٹر اعجاز حسین نے بعض شخصیتوں کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا ہے اور ایک آدھ ہی جملے میں ایسے پتے کی بات کہہ جاتے ہیں کہ اس شخص سے تعارف رکھنے والا تو بے حد لطف اٹھائے، لیکن جو واقف نہ ہو وہ بھی محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ان کی دقّت نظر کی داد دے گا۔''[۵۴] انھوں نے ہر خاکے کو بہت ہی اختصار سے اتارا ہے۔ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اعجاز حسین کو نفسیات کا علم نہیں تھا، لیکن اتنے اچھے انداز سے شخصیتوں کے نفسیاتی پہلوؤں کو پیش کیا ہے کہ قاری کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ نفسیات سے ناواقف ہیں۔اسی طرح چراغ حسن حسرت نے چند شخصیات کے خاکے کھینچے ہیں۔ان کے خاکوں کا مجموعہ ''مردم دیدہ'' ہے۔جس میں مولانا آزاد کا خاکہ قابل ذکر ہے۔[۵۵]

حوالہ جات:

(۱) فیروز اللغات، ص:۳۱۰ (۲) لغات کشوری، ص:۱۶۳

(۳) فرہنگ آصفیہ اول، ص:۸۳۸

4. ChambersTwentiethCenturyDictionary,ed.,byA.M Macdonald.W&RChambersLtd.1982.P1266 Pen-Portrait and Sketch, Plan, Draft, Outline, Tracing,caricaturedelineation,map

(۵) شیخ منہاج الدین، قاموس الاصطلاحات، ص:۱۷۷، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۶۵ء

(۶) حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، مرتب: کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص:۷۲، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

7. https//:ur.oxforddictionaries.com-Accessedon 09.09.2016.

8. The Standard English-Urdu Dictionary. Eds., by Dr. AbdulHaq,Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu, Karachi. 4th, Edition1985 Ad.P1146

9. The Standard English-Urdu Dictionary, eds., by Dr. AbdulHaq,Anjuman-e-Taraqqi-e-Urdu, Karachi.4th, Edition 1985 Ad.P891

(۱۰) محمد عبداللہ خان خویشگی، فرہنگ عامرہ، ص:۲۲۷، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۹ء

(۱۱) سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ، ص:۱۷۶، جلد اوّل دوم، طبع چہارم، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۲۰۰۳ء

(۱۲) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، ص:۱۷۶، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

(۱۳) حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، مرتب: کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص:۷۲، طبع دوم، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۵ء

(۱۴) محمد طفیل، مجبی، ص:۷، ادارہ فروغ اردو لاہور، س ن

(۱۵) برائے چراغ حصہ دوم سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۵۸۱

(۱۶) صابرہ سعید، ڈاکٹر، اردو ادب میں خاکہ نگاری، مشمولہ، خلیق انجم، ڈاکٹر، ص:۹، ایجوکیشنل ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۹ء

(۱۷) بہ حوالہ صابرہ سعید، اردو میں خاکہ نگاری، ص:۳۶

(۱۸) سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص:۲۲۹، طبع پنجم، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

(۱۹) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، ص:۱۷۶، سنگ میل پبلی کیشنز،

لاہور،۱۹۹۱ء
(۲۰) اسرائیل صدیقی، ڈاکٹر، یادگار مرزا فرحت اللہ بیگ، ص۲۰۰، الوقار پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۰۴ء
(۲۱) انور سدید، ڈاکٹر، اردو میں خاکہ نگاری، مشمولہ: محمد نقوش، ص:۳۲۹، مرتب: سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، کاروانِ ادب ملتان،۱۹۸۳ء
(۲۲) حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، محمد طفیل کے خاکے اور فن خاکہ نگاری، ص:۳۰۱، مشمولہ: محمد نقوش، مرتب: سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، کاروانِ ادب ملتان، ۱۹۸۳ء
(۲۳) حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، محمد طفیل کے خاکے اور فن خاکہ نگاری، ص:۲۸۰، مشمولہ: محمد نقوش، مرتب: سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، کاروانِ ادب ملتان،۱۹۸۳ء
(۲۴) حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، محمد طفیل کے خاکے اور فن خاکہ نگاری، ص:۲۸۱، مشمولہ: محمد نقوش، مرتب: سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، کاروانِ ادب ملتان،۱۹۸۳ء
(۲۵) بشیر سیفی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری (فن و تنقید)، ص:۱۴، شاخسار پبلشرز، راولپنڈی،۱۹۹۰ء
(۲۶) حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، محمد طفیل کے خاکے اور فن خاکہ نگاری، ص:۲۷۵، مشمولہ: محمد نقوش، مرتب: سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، کاروانِ ادب ملتان،۱۹۸۳ء
(۲۷) یحییٰ امجد، فن اور فیصلے، ص:۲۶، مکتبہ عالیہ لاہور، طبع اول،۱۹۶۹ء
(۲۸) انور سدید، ڈاکٹر، اردو میں خاکہ نگاری، ص:۳۲۹، مشمولہ: محمد نقوش، مرتب: سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، کاروانِ ادب ملتان،۱۹۸۳ء
(۲۹) صابرہ سعید، ڈاکٹر، اردو ادب میں کا کہ نگاری، مشمولہ، شبلی نعمانی، ص:۲۴، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ،۲۰۰۹ء
(۳۰) احمد فاروقی، ڈاکٹر، نقوش، ص:۵۷، ادارہ فروغ اردو لاہور، مئی 1959ء
(۳۱) عبدالغنی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری، ص:۱۰۰، رسالہ کتاب نما، کتاب نما دہلی، جنوری ۱۹۸۵ء
(۳۲) انور سدید، ڈاکٹر، اردو میں خاکہ نگاری، ص:۳۳۴، مشمولہ: محمد نقوش، مرتب: سید معین الرحمٰن، ڈاکٹر، کاروانِ ادب ملتان،۱۹۸۳ء
(۳۳) بشیر سیفی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری (فن و تنقید)، ص:۱۶، شاخسار پبلشرز، راولپنڈی،۱۹۹۰ء
(۳۴) زرینہ بیگم چودھری کا مضمون 'اردو ادب میں خاکہ نگاری، آغاز و ارتقاء'، ص:۴۶-۴۸، ماہنامہ ادیب کرناٹک، کرناٹک اردو اکاڈمی، بنگلور، جلد-۲، شمارہ-۱۲، دسمبر ۲۰۱۳ء
(۳۵) مجتبیٰ حسین، 'آدمی نامہ (خاکوں کا مجموعہ)، ص:۴، ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء
(۳۶) نور الحسن نقوی، پروفیسر، ص:۳۸۳-۳۹۲، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۱۴ء
(۳۷) خواجہ حسن نظامی، مرتب، شمیم حنفی، پروفیسر، آزادی کے بعد دہلی، اُردو خاکہ، ص:۲۴، اردو اکادمی، دہلی
(۳۸) مرزا محمد بیگ، خاکہ 'بی مرادن'، ص:۹۲-۹۳، مرتب، شمیم حنفی، پروفیسر، آزادی کے بعد دہلی، اردو خاکہ، اردو اکادمی، دہلی
(۳۹) مردولا سارا بھائی، بیگم انیس قدوائی کی عزیز ترین سہیلی، ۷۲ سال کی عمر میں دنیا سے کوچ کر گئیں۔ چھوٹی سی عمر میں کانگریس پارٹی میں شریک تھیں۔ جو ستیہ گرہ کی تحریک میں کئی دفعہ جیل گئیں۔ عدم تشدد اور سچائی کو انھوں نے پکے مذہبی عقیدے کی طرح اپنایا تھا۔ آزادی کی تحریک میں دامے درمے قدمے حصہ لیا، لیکن اس متحرک شخصیت کو کانگریس سے نکالا گیا۔ حکومت غدار سمجھا اور سب برسر اقتدار گروہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔
(۴۰) بیگم انیس قدوائی، خاکہ 'مردولا سارا بھائی'، ص:۱۰۸-۱۰۹، مرتب، شمیم حنفی، پروفیسر، آزادی کے بعد دہلی، اردو خاکہ، اردو اکادمی، دہلی
(۴۱) شمیم حنفی، پروفیسر، خاکہ نگار، بیگم حمیدہ سلطان، آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ، ص۱۱۱، اردو اکادمی، دہلی
(۴۲) شمیم حنفی، پروفیسر، خاکہ نگار، بیگم حمیدہ سلطان، آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ، ص۱۲۱-۱۱۴، اردو اکادمی، دہلی
(۴۳) اردو میں خاکہ نگاری۔ صابرہ سعید۔ ص:۲۶-۴۶
(۴۴) فرمان فتحپوری، ڈاکٹر، اردو نثر کا فنی ارتقا، ص:۳۶۳، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی،۱۹۹۷ء

یہ حقیقت ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد پہلے تذکرہ نگار ہیں جنھوں نے متعدد شخصیات کا حلیہ، عادات و اطوار، نظریات و خیالات، ان کی خوبیوں اور خامیوں کو اس ڈھنگ سے پیش کیا ہے کہ پوری شخصیت اور پیکریت سامنے آجاتی ہے۔ آزاد نے جن اشخاص کا انتخاب کیا تھا ان کے حالاتِ زندگی کے پیچ و خم سے انھیں ذاتی دلچسپی تھی۔ ان کے بیانات میں بے حد جاذبیت تھی اور فقرے اختصار میں ہوا کرتے تھے۔ اسلوب بھی منفرد تھا۔ الفاظ کے برمحل استعمال سے وہ ایک سماں باندھتے تھے۔ اس طرح ان کے لکھے ہوئے نیم خاکے ضرور ہیں، لیکن ان کا رجحان سوانحی ہے، لیکن آبِ حیات کو خاکہ نگاری کی تاریخ میں ہمیشہ ایک درخشاں باب کی حیثیت ضرور رہے گی۔

(۴۵) دید اور دریافت، نثار احمد فاروقی، ص:۲۰
(۴۶) صابرہ سعید، ڈاکٹر، اردو میں خاکہ نگاری، ص:۶۰
(۴۷) صابرہ سعید، ڈاکٹر، اردو میں خاکہ نگاری، ص:۲۰
(۴۸) فخر الاسلام، چند اہم نثر نگار، ص:۹۸، پروین اعظم گڑھ،۱۹۸۵ء
(۴۹) دیدہ ور دریافت، ص:۳
(۵۰) دیدہ ور دریافت، ص:۶۹
(۵۱) دیدہ ور دریافت، ص:۵۶
(۵۲) دیدہ ور دریافت، ص:۵۶
(۵۳) دیدہ ور دریافت، ص:۵۵
(۵۴) اردو ادب میں خاکہ نگاری، ص:۱۷۴

○○